Al-Qawārīr - Vol: 07, Issue: 02,
Jan – Mar 2026

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
Journal.al-qawarir.com

عائلی وسماجی سطح پر تبادلہ تحائف: شریعت اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Exchange of Gifts at the Family and Social Levels: An Analytical Study in the Light of Islamic Shariah

Sadia Bukhari
MS Scholar, Institute of Arabic and Islamic Studies,
Government College Women University, Sialkot, Pakistan.
Dr. Syeda Sadia
Director, Institute of Arabic and Islamic Studies,
Government College Women University, Sialkot, Pakistan.

ABSTRACT

The exchange of gifts and financial contributions at family and social occasions constitutes a deeply rooted practice in Muslim societies, reflecting cultural continuity as well as ethical values endorsed by Islamic teachings. This study offers an analytical exploration of such practices in the light of Islamic law, with particular attention to their objectives, diverse forms, and contemporary implications. It examines common manifestations of gift exchange, including those associated with engagements, marriages, dowry, nuqūṭ salami, childbirth, aqīqah, illness, pilgrimage, Eid celebrations, and interactions with non-Muslims. Central to this analysis is the role of intention (niyyah) and sincerity (ikhlāṣ), which fundamentally determine the moral and legal status of these practices, as emphasized in the Qurʾān, Sunnah, and classical juristic discourse. The study argues that, in their original spirit, such exchanges are commendable and serve to strengthen social bonds, promote compassion, and foster mutual cooperation. However, it also highlights a significant shift in many contemporary contexts, where these customs have become burdensome, leading to financial strain, social pressure, indebtedness, and ostentation. By applying key juristic principles such as ʿurf (custom), maqāṣid al-sharīʿah (objectives of Islamic law), and ethical moderation, the study calls for a critical reassessment of these practices. It

Seerat Chair Gender Studies & Women Rights,
Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore, Pakistan.
© The Authors. No conflict of interest declared.
This is an open access work licensed under a **Creative Commons Attribution 4.0 International License (CC BY 4.0).**

concludes that gift exchange should remain voluntary, sincere, and proportionate to one's means, ensuring that it continues to function as a source of social harmony rather than hardship.

Keywords: *Customary Gifts, ʿUrf, Niyyah, Ikhlāṣ, Islamic Law, Social Practices, Maqāṣid al-Sharīʿah.*

تمہید:

تحفہ دینا قدیم سماجی روایت ہے جس کی صورتیں لوگوں کے تعامل، تغیرِ زمانہ، رائج عرف وعادت اور سماجی وثقافتی حالات سے وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہیں۔ شریعتِ مطھرہ میں عرف وعادت اور تعامل کی بڑی اہمیت ہے کہ اصولیین نے قرآن و سنت، اجماع وقیاس کے علاوہ عرف کوماخذِ شریعت شمار کیا ہے۔[1] اس لئے کہ تغیرِ عرف سے احکام متاثر یعنی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ خوشی وغمی کے مواقع پر جو مہمان کی جانب سے میزبان کو رقم دی جاتی ہے جیسے سلامی تو اس کا حکم لوگوں میں رائج عرف پر ہے لہذا جہاں یہ رقم لوٹانے کا رواج ہو وہاں لوٹانا لازم ہو گا اور جہاں نہ ہو وہاں نہیں[2]۔

الغرض تحائف کے باب میں عرف، تعامل، رواج اور نیت کا بڑا عمل دخل ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے میں رائج مختلف نمایاں صورتوں کا شرعی اصولوں کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔ اوّلاً تحفہ اور اس سے متقارب دیگر اصطلاحات کا تعارفی جائزہ حسب ذیل ہے۔

تحفہ کی توضیح

تحفہ جس کے لیے عربی میں ہدیہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ چیز ہے جو کسی کو اکرام یا اظہار محبت کی غرض سے دی جائے[3]۔

وہ شے ہے جو کسی سے محبت ومؤدت بڑھانے، اس کے اظہار اور اکرام کرتے ہوئے بغیر کسی معاوضہ کے مفت دی جائے۔ الغرض مراد اس سے ہر وہ مال ہے جو اظہارِ محبت اور حصولِ الفت وثواب کے واسطے دوسروں کو دیا جائے۔ تحفہ کی تعریف کرتے ہوئے اگرچہ اسے مال سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یعنی عربی لغت میں اس سے مراد مالی تعاون اور مالی ومادی اشیاء دینا ہی ہوتا ہے کہ تحفہ اعیان میں ہوتا ہے اعیان یعنی وہ اشیاء جن کی کوئی قیمت ہو۔ لیکن اطلاق اور مفہوم کے اعتبار سے اس کے معنی کثیر اور وسیع ہیں۔ علماء کی تحقیقات کے مطابق قرض دینا، قرض میں مہلت دینا، مہلت بڑھا دینا، جائز سفارش کرنا، مسلمانوں میں صلح کروانا، تعلق اور رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے اور مروت واخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے حق سے دستبردار ہو جانا، معاف کر دینا الغرض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے خلوصِ نیت اور محبت کے جذبے سے دوسروں پر کیا گیا ہر احسان، مہربانی، خدا ترسی، غم خواری حتیٰ کہ

خلوصِ دل سے کیا گیا سلام بھی تحفہ کے مفہوم میں آتا ہے۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی علیہ الرحمہ شرح کرمانی میں تحائف پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے (تحفہ) تحت کئی انواع ہیں مثلاً مقروض کو قرض سے بری کر دینا اور صدقہ کرنا اور آخرت کے ثواب کو ہبہ کرنا[4]۔

تحفہ اور دیگر مالی عطیات میں فرق

تحفہ کا معنی ہے کسی کو کچھ دینا کہ اس سے نفع اٹھائے۔ اس لغوی معنی کے اعتبار سے تحفہ کا اطلاق عطیہ، ہدیہ، ہبہ، صدقہ، وصیت اور وقف پر بھی ہوتا ہے کہ ان سب میں جو قدر مشترک ہے وہ ہے بلا عوض دینا، مفت دینا۔ یعنی لطف و مہربانی, خدا ترسی، رحم، دلجوئی، محبت و مودت بڑھانے، تعظیم و احترام کی خاطر، تعلقات مضبوط کرنے، ریاکاری سے پاک فقط رضائے الٰہی کے لیے، ثواب آخرت کی خاطر، صلہ رحمی، اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ دوسرے کو کچھ دینا جس سے وہ نفع حاصل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام الناس بالخصوص تحفہ، ہدیہ، عطیہ، ہبہ، وغیرہ کو مترادفات کے طور پر استعمال کرتے ہیں بایں طور پر کہ ان میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ تحائف اور مالی عطیات جیسے ہبہ، عطیہ، منحہ، نحلہ، صدقہ، وقف اور وصیت بظاہر قریب المعنی ہیں، لیکن ان میں اطلاق اور استعمال کے اعتبار سے فرق ہے۔

تحفہ ایک وسیع المفہوم اصطلاح ہے جو اعیان (مادی اشیا)، منافع اور خدمات، تینوں پر صادق آتی ہے۔ ہدیہ کا بھی اسی طرح وسیع دائرہ ہے، اس کے بر عکس ہبہ فقہی اصطلاح ہے جو صرف مادی اشیا(اعیان) تک محدود ہے، کیونکہ منافع یا خدمات کو ہبہ نہیں کہا جاتا[5]۔ اس میں اصل مقصد بلا عوض ملکیت کی منتقلی ہے۔ عطیہ کا اطلاق قدرے مختلف ہے۔ یہ بالعموم انعام یا صلہ کے معنیٰ میں مستعمل ہے، خاص طور پر فوجیوں یا خدام کو دیے جانے والے انعامات کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے[6]۔ اس کے مقابلے میں منحہ صرف منافع اور خدمات کے ساتھ مخصوص ہے، جیسے وقتی طور پر کسی کو نفع اٹھانے کی اجازت دینا، مثلاً گھوڑا سواری کے لیے دینا[7]۔

اگر گھوڑا کسی کی ملک کیا تو اسے تحفہ، ہدیہ اور ہبہ تینوں لفظ استعمال کیے جاسکتے ہیں جبکہ اس کی منفعت یعنی صرف سواری کی اجازت دی تو منحہ کہیں گے۔ نحلہ مہر کے لئے استعمال ہوتی ہے، اور شوہر کی طرف سے بیوی کو دیا جانے والا مال "نحلہ" کہلاتا ہے[8]۔ صدقہ اپنی نوعیت میں روحانی اور اخلاقی جہت رکھتا ہے۔ یہ صرف محتاجوں اور ضرورت مندوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دینے کے معنیٰ میں ہی مستعمل ہے[9]۔ جبکہ وصیت جو زندگی میں نہیں بلکہ موت کے بعد نافذ ہوتی ہے، اس میں وصیت کنندہ اپنے تہائی مال میں سے کسی کو بلا عوض مالک بناتا ہے۔ اطلاق کے اعتبار سے اس کا دائرہ کار بھی وسیع ہے۔ مالی و حسی اشیاء کے ساتھ ساتھ منافع کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے مگر اس کا نفاذ موت کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے[10]۔

یوں ان اصطلاحات کا باہمی تقابل یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے درمیان بنیادی فرق صرف لغوی معنی کا نہیں کہ لغوی معنی میں یہ یکساں ہیں بلکہ فرق اطلاق، محل استعمال اور عملی نوعیت کا ہے۔

تحائف: مشروع صورتیں

ہبہ مطلق

ہبہ مطلق سے مراد تحفے کی وہ خالص، بنیادی اور اصل صورت ہے جسے شریعت نے جاری کیا ہے۔ بلاعوض کوئی چیز دوسرے کو دینا۔ یعنی ایک شخص اپنی ملکیت سے کوئی چیز بغیر کسی بدلے اور منفعت کے صرف محبت، شفقت اور خیر خواہی کے جذبے سے دوسرے کو دے دے۔ یہی وہ صورت ہے جسے فقہاء نے ہبہ محض کہا ہے اور جسے ہمارے ہاں عرفِ عام میں تحفہ اور عربی زبان میں ہدیہ کہتے ہیں محض اللہ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کی دلجوئی اور خوشی مقصود ہو۔ یہ وہی اصل اور خالص تحفہ ہے جسے شریعت نے پسند فرمایا اور دینے کی ترغیب بھی دی۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں مطلق ہبہ، چاہے وہ کسی ہم مرتبہ، کم درجے یا بلند درجے والے کو دیا جائے، کسی بدلے یا صلے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ یہ دراصل نیکی اور احسان ہے اس لیے بدلہ مطلوب نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح جیسے صدقہ میں بدلہ مقصود نہیں ہوتا[11]۔ عصر حاضر میں چونکہ تحفہ دینے کی مختلف صورتیں رائج ہو چکی ہیں نیز مختلف انداز اختیار کیے جاتے ہیں، اس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ تحفے کی اصل کیا ہے۔ شریعت نے جس تحفے کو خالص شکل تسلیم کیا ہے وہ ہبہ مطلق ہے، یعنی وہ ہبہ جو صرف اللہ کی رضا اور محبت کے لیے بلاعوض دیا جائے۔

ہبہ بالثواب

لفظ "ثواب" یہاں اخروی ثواب کے معنی میں نہیں بلکہ بدلہ اور عوض کے معنی میں ہے۔ "ہبہ بالثواب" سے مراد وہ ہبہ ہے جس میں دینے والا یہ شرط عائد کرے یا عرفاً یہ متعین ہو کہ لینے والا بدلے میں کچھ دے گا۔ ہبہ کی اصل شریعت میں یہ ہے کہ یہ ایک تبرع (بلاعوض معاہدہ) ہے[12]۔

یعنی جو چیز کسی کو ہبہ کی جائے وہ بغیر کسی بدلے اور منفعت کے محض محبت، خیر خواہی یا صلہ رحمی کی بنیاد پر دی جائے اسے "ہبہ مطلق" یا ہبہ محضہ کہتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص تحفہ دیتے وقت یہ کہہ دے کہ "میں یہ چیز تمہیں دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم بھی مجھے بدلے میں کچھ دو گے"، یا عرف ورواج میں بدلہ دینا لازم سمجھا جاتا ہو، تو ایسی صورت "ہبہ بالثواب" کے زمرے میں آئے گی۔

احادیثِ مبارکہ سے استدلال

پہلی حدیث

رُوِی عن رسول اللہ ﷺ الواهب أحق بهبته ما لم يُثَبْ منها۔ [13]

ہبہ دینے والا اپنی ہبہ (تحفہ) کا سب سے زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اس کے بدلے میں کچھ نہ پایا ہو۔

دوسری حدیث

عن عائشةرضی اللہ عنها قالت كان رسول اللہ ﷺ يقبل الهديه و يثيب عليها[14]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول فرماتے اوراس کا بدلہ بھی دیتے۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا ہبہ بالثواب بھی جائز ہے۔ مشروعیت کا تقاضا یہی ہے کہ تحفہ بلا عوض ہو البتہ تحفے کو مشروط اور نفع بخش معاملہ بنانا مروت اور کامل اخلاق کے خلاف ہے۔ طرفین پر اپنے اپنے موافق ذمہ داری عائد ہوتی ہے بایں طور پر کہ دینے والے کو چاہیے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے اور دوسرے کا اکرام کرتے ہوئے تحفہ دے اور لینے والے کو چاہیے خوش دلی سے تحفہ قبول کرے اور اس کا اچھا بدلہ دے۔ کسی بھی معاشرے کا بنیادی اور سنہری اصول صرف اور صرف یہی ہے کہ ہر فرد مرد ہو یا عورت، بزرگ ہو یا نوجوان اپنے حصے کی ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کرے تاکہ توازن برقرار رہے۔

عاریہ

لغوی معنی: عاریہ اعارہ سے ماخوذ ہے اور اَعارہ کے معنی ہیں کسی کو کوئی چیز عاریۃً دینا۔ اصطلاحی معنی: اصطلاح میں عاریت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے نفع اٹھانے کی اجازت دی جس سے نفع اٹھانا جائز ہو بشرطیکہ وہ چیز برقرار رہے۔ المبسوط میں ہے: عاریت یہ ہے کہ کسی چیز کے نفع کی ملکیت بلا عوض دوسرے کو دینا۔[15]

استدلال

اللہ تبارک و تعالی نے ارشاد فرمایا: ویمنعون الماعون[16] . مفسرین نے فرمایا ہے کہ "الماعون" سے مراد عاریتاً دی جانے والی چیزیں (یعنی وقتی طور پر دوسروں کو دی جانے والی اشیاء) ہیں[17]۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا العاریۃ مؤداۃ عاریتاًلی ہوئی چیز لوٹائی جائے گی یعنی جو چیز کسی نے وقتی طور پر لی ہو اسے واپس کرنا لازم ہے۔ فقہاء نے بھی اس پر تصریح کی ہے کہ جب اعیان (اشیاء) کا ہبہ (تحفہ دینا) جائز ہے تو منافع (نفع یا استعمال) کا ہبہ بھی جائز ہونا چاہیے۔ اسلام نے عاریت کو

مشروع اور جائز کیا ہے۔ یہ معاشرتی لحاظ سے بھی مفید ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی اور شرعی دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عاریت نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ فقہاء کا بھی اس کے جواز پر اجماع ہے۔ در حقیقت عاریت کا مقصد مالی فائدہ نہیں بلکہ تعاون، ایثار اور احسان کے جذبے کو فروغ دینا ہے۔ یہ تحائف کی طرح لوگوں کے درمیان محبت، اعتماد اور باہمی تعلقات کو مضبوط کرتا ہے۔

عائلی اور سماجی سطح پر رائج تحائف کی نمایاں صورتیں

غیر مسلموں سے تبادلہ تحائف

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

غزونا مع النبي ﷺ غزوة تبوك، فأهدى ملك أيلة للنبي ﷺ بغلةً بيضاءَ وبردًا[18]۔

ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک تھے تو اہلِ ایلہ کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سفید خچر اور ایک چادر (بردہ) بطور تحفہ پیش کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کسریٰ، قیصر اور بادشاہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیے بھیجے تو آپ نے وہ قبول فرمائے۔[19]

سیرت النبی سے عملی رہنمائی:

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے تحائف بھی قبول فرمایا کرتے تھے۔ اس ضمن میں جو نبوی تعلیمات حاصل ہوتی ہیں ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

تحائف کے تبادلے میں دعوتی پہلو: ہدیہ دینا یا قبول کرنا محض ایک سماجی تعلق بنانے کا ذریعہ نہیں بلکہ دعوتِ دین کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بعض غیر مسلم رہنماؤں کے ہدیے قبول کر کے ان کے دل نرم کیے اور ان تک اسلام کا مثبت پیغام پہنچایا۔

بین المذاہب تعلقات میں توازن: اسلام نہ تو غیر مسلموں سے اندھی محبت کا قائل ہے، نہ ہی بلا وجہ دشمنی کا۔ اس کا اصول یہ ہے کہ تعلقات عدل، خیر خواہی اور دین کے تحفظ کے ساتھ قائم ہوں، عقائد و نظریات اور احکام شریعت پر سمجھوتہ کیے بغیر۔

انفرادی و اجتماعی تعلقات میں مقاصدِ شریعت کی برتری: حدیث مبارکہ میں ہے: علماء میری امت میں ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء" یہ شرف و فضیلت اس وجہ سے ہے کہ پچھلی امتوں میں تبلیغ کا کام صرف انبیاء و رسل انجام دیتے تھے، لیکن اس امت کی خصوصیت یہ ہے کہ ختمِ نبوت کے بعد امت کے سلیم الفطرت علماء اور صلحاء کو یہ مقام نصیب ہوا کہ وہ حضور ﷺ

کے پیغام کو دنیا تک پہنچائیں۔ لہٰذا، تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مسلمان کو انفرادی طور پر بالعموم اور اجتماعی طور پر بالخصوص ہمیشہ مقاصدِ شریعت کو مقدم رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ہر مسلمان اپنے قول و فعل سے ایک داعی اور مبلغ کی حیثیت رکھتا ہے، چاہے وہ باضابطہ کسی ادارے یا جماعت سے وابستہ ہو یا نہ ہو۔ اسی بنیاد پر جب غیر مسلموں سے تعلقات کی بات آتی ہے تو ضروری ہے کہ "ردّ المفاسد" کے اصول کو مد نظر رکھا جائے اور مقاصدِ شریعت کو مقدم رکھا جائے۔

قرآن نے اس حوالے سے واضح رہنمائی دی ہے:

> **لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ"**
>
> اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے[20]۔"

لیکن ساتھ ہی قرآن نے خبردار کیا ہے:

> **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ"**
>
> اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو تم میں سے انہیں دوست بنائے گا، وہ انہی میں سے ہوگا[21]۔"

یہ دونوں آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ غیر مسلموں سے تعلقات میں حکمت، احتیاط اور مقاصدِ شریعت کو سامنے رکھنا لازم ہے۔ یعنی نہ تو مکمل بے رخی اور تعصب کا رویہ اختیار کرنا ہے اور نہ ہی اندھی موالات میں پڑنا ہے۔ بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ دین و ملت کے تحفظ اور شریعت کے مقاصد کو مقدم رکھا جائے۔ مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ انہیں وہ شرف ملا ہے جو پچھلی امتوں کو نہیں ملا وہ ہے رسالت و نبوت کے بعد دین کی تبلیغ اور حفاظت کا فریضہ۔ لہٰذا اس نعمتِ عظمیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر حال میں اور ہر تعلق میں مقاصدِ شریعت کو مقدم رکھیں۔ لہٰذا جب مسلمان کے انفرادی و اجتماعی تعلقات کی بات ہو تو اسے ہمیشہ یہ اصول ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ: انفرادی و اجتماعی تعلقات میں مقاصدِ شریعت کو برتری اور ترجیح حاصل ہے۔

مسلمانوں کا کفار کی عیدوں پر آپس میں تحائف دینا

اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ مسلمان اگر اپنی عیدوں کے علاوہ کفار کی مخصوص عیدوں پر ایک دوسرے کو تحائف دیں تو یہ درست نہیں[22]۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے غیر مسلموں کی مشابہت اور ان کے طریقے کی پیروی لازم آتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان عام حالات میں اپنے بھائی کو تحفہ دینے کا عادی نہیں اور ان کی عید کے دن تحفہ دینا ہو، تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ یا تو وہ ہدیہ ان کے دن سے پہلے دے یا بعد میں، تاکہ مخالفت ظاہر ہو اور مشابہت سے بچت ہو۔ یہ حکم ان تمام اشیاء پر لاگو ہوتا ہے جو عام طور پر تہوار کے موقع پر غیر مسلم ایک دوسرے کو دیتے ہیں، جیسے مٹھائیاں، انڈے، درخت کی شاخیں، یا رنگین اشیاء۔ کہ یہ چیزیں بالخصوص دینے سے پرہیز کیا جائے۔ اس ممانعت کی اصل حکمت یہ ہے کہ مسلمان اپنی انفرادیت کو برقرار رکھیں اور غیر مسلم تہواروں میں ضم نہ ہو جائیں۔ کیونکہ ایسی مشابہت صرف ظاہری عمل نہیں بلکہ یہ ان کی تہذیبی اور مذہبی رسومات کی تعظیم اور ان کے باطل کو قبول کرنے کے مترادف ہے۔[23]

غیر مسلموں کو ان کی عیدوں پر ہدیہ دینا

جمہور نے اس بات کو ممنوع قرار دیا ہے کہ مسلمان کفار کو ان کی مذہبی عیدوں میں تحفے پیش کریں۔[24] ان کے نزدیک یہ عمل ان کی عید اور ان کے باطل دین کی تعظیم کے مترادف ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان خاص ان کے دن کے نام پر تحفہ دے تو یہ سخت گناہ ہے، اور اگر نیت میں تعظیم شامل ہو تو کفر تک جا پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص تحفہ صرف حسنِ تعلق اور عمومی رواداری کی نیت سے دیتا ہو، تو یہ برا عمل تو ہے لیکن کفر نہیں۔ جمہور کے ہاں ایسے دن مسلمانوں کے لیے عام دنوں کی طرح ہونے چاہئیں۔ ان میں نہ کھیل کود کی اجازت ہے نہ زینت کی نمائش، نہ ہی کسی تجارتی رعایت یا خرید و فروخت میں ان کی عید کی تخصیص ہونی چاہیے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ: اگر تحفہ دینے کی نیت ان کے دین اور شعائر کی تعظیم ہو تو یہ ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ اگر مقصد محض حسنِ سلوک اور معاشرتی تعلقات ہیں تو اس کی گنجائش ہے مندرجہ ذیل چند شرائط کے ساتھ: تحفہ ایسا نہ ہو جو براہِ راست ان کے مذہبی شعار کی علامت ہو۔ اس سے مسلمان کی دینی شناخت اور غیرت متاثر نہ ہو۔ مسلمان کی ترجیح یہ ہو کہ پہلے اپنے محتاج بھائیوں کا خیال رکھے، پھر دوسروں کو دے۔

کفار کی عیدوں پر ان کے تحفے قبول کرنا:

ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کے موقع پر ان کی جانب سے دیے گئے تحائف کو قبول کریں؟ یہ سوال فقہی، سماجی اور دینی اعتبار سے نہایت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ تحائف ہمیشہ

اچھے تعلقات اور قربت کی علامت ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف آثار و روایات ملتی ہیں، جن میں سے بعض قبولیت اور بعض ممانعت پر مبنی ہیں۔

جواز پر مبنی روایات:

روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ: سنن کبریٰ للبیہقی میں محمد بن سیرین سے روایت ہے: "علی رضی اللہ عنہ کے پاس نوروز کے دن ایک تحفہ لایا گیا۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ نوروز کا دن ہے۔ آپ نے فرمایا: ہر دن کو نوروز (یعنی خوشی کا دن) بنالو۔[25] " اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحفہ قبول کیا، تاہم تہوار کے نام کے ساتھ وابستگی کو ناپسند فرمایا۔ یہاں ایک فقہی نکتہ یہ ہے کہ قبولیت کا تعلق محض تحفے سے تھا، نہ کہ تہوار کے مذہبی مفہوم سے۔

ابو برزہ اسلمی: ان کے بارے میں مروی ہے: "وہ مجوسیوں کے درمیان رہتے تھے، وہ لوگ نوروز اور مہرجان کے دن انہیں تحائف بھیجتے۔ وہ اپنے گھر والوں سے کہتے: جو پھل ہے اسے قبول کر لو، اور جو کچھ اس کے علاوہ ہو اسے واپس کر دو۔" اس سے یہ بات مزید واضح ہوتی ہے کہ اصل معیار تحفے کی نوعیت کا ہے۔ یعنی اگر تحفہ مباح ہو تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔[26]

رد پر مبنی روایات

عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو لکھا: "نوروز اور مہرجان کے تحفے قبول نہ کرو۔"[27] یہ ممانعت حکام و کارگزاروں کے لیے تھی تاکہ تحائف رشوت یا سیاسی دباؤ کا ذریعہ نہ بن سکیں۔ حضرت علی کی ممانعت: امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں ذکر کیا ہے: "علی رضی اللہ عنہ نوروز اور مہرجان کے تحفے قبول نہیں کرتے تھے[28]۔" یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کبھی کبھار تحفے کو واپس کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، بالخصوص جب اس میں مذہبی رنگ یا باطل عقائد کی ترویج کا پہلو ہو۔

آثار میں تطبیق اور علمی توجیہ: ان آثار کے درمیان بظاہر تعارض پایا جاتا ہے، لیکن فقہی اصول یہ ہے کہ تعارض کو تطبیق سے ختم کیا جائے۔ چنانچہ درج ذیل احتمالات بیان کیے گئے ہیں:

نیت اور پس منظر کا فرق: ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض مواقع پر تحفہ دینے والے کی نیت اور تعلقات دیکھ کر قبول کیا ہو، اور بعض مواقع پر انہی وجوہات کی بنا پر انکار کیا ہو۔ یہ طرزِ عمل عین رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہے، جنہوں نے بعض کفار کے تحائف قبول کیے اور بعض کو واپس کر دیا

تحفے کی نوعیت: ایک قوی احتمال یہ بھی ہے کہ اگر تحفہ مباح چیز جیسے پھل تھا تو قبول کیا گیا، اور اگر وہ حرام تھا جیسے بتوں پر ذبح کیا ہوا گوشت تو واپس کر دیا گیا۔ اس نکتے کو ابو بَرزہ کے عمل سے تقویت ملتی ہے، جنہوں نے صرف پھل قبول کیے اور باقی چیزیں رد کر دیں۔

حکام و اہل اقتدار کے لیے خصوصی ہدایات: عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے جو اپنے کار گزاروں کو ممانعت کا حکم دیا، وہ عوام کے لیے عام قاعدہ نہیں تھا، بلکہ اہلِ اقتدار کے لیے مخصوص تھا تاکہ رشوت اور ناجائز تعلقات کے دروازے بند رہیں۔

موجودہ تناظر میں اطلاق: اس تفصیلی تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کفار کی عیدوں میں ان کے تحائف قبول کرنے کا حکم شرائط کے ساتھ مشروط ہے تحفے کی نوعیت: اگر وہ مباح اور دینی علامتوں سے پاک ہو تو جائز ہے، لیکن اگر وہ حرام یا مذہبی علامت مثلاً صلیب ہو تو ناجائز ہے۔ مسلمانوں کی دینی حالت: اگر مسلمان کمزور ہوں اور ان پر اثر انداز ہونے کا خدشہ ہو تو تحائف قبول کرنا سختی سے ممنوع ہے۔ لیکن اگر ایمان و معاشرتی قوت مضبوط ہو تو تحائف قبول کرنے سے کفار کے دل نرم ہو سکتے ہیں اور دعوتِ اسلام کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ مخاطَب کی حیثیت: عام مسلمان بعض حالات میں قبول کر سکتے ہیں، لیکن حکمران یا سرکاری ذمہ داروں کے لیے یہ سخت منع ہے تاکہ تحائف کو رشوت کا ذریعہ نہ بنایا جا سکے۔ معلوم ہوا کہ شریعت کا موقف حکمت، حالات اور مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے متوازن ہے۔ تحفے کی شرعی حیثیت، دینے والے کی نیت اور لینے والے کی حالت اور عہدہ یہ سب عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔

عیدی

ہدایا اور تہنیت کی اہمیت:

عید کے موقع پر ہدیے اور مبارک باد دلوں میں مسرت و شادمانی پیدا کرتے ہیں۔ یہ روایت قدیم اور جدید دونوں ادوار میں رائج رہی ہے کہ عید کے ایام میں رشتہ داروں اور ہمسایوں کو تحائف پیش کرتے ہیں۔ اس کی اصل قرآن مجید کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے: **وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ**[29] اور وہ لوگ جو اُن رشتوں کو جو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، جوڑتے ہیں۔

عیدی کی تعریف لغوی: عید "عود" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے "پلٹنا" یا "لوٹنا" یا "دوبارہ آنا"۔ چونکہ یہ دن بار بار لوٹ کر آتا ہے اس لیے اسے عید کہتے ہیں یا عادت سے ماخوذ ہے چونکہ اس میں جمع ہونا لوگوں کی عادت ہے۔ ابن العربی نے لکھا ہے کہ عید کو عید اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ ہر سال نئی خوشی کے ساتھ لوٹ کر آتی ہے[30]۔ علامہ شوکانی نے کہتے ہیں ہر وہ دن جس میں

کوئی خوشی لوٹ کر ائے عید کا دن ہے نیز اس دن ہر مسلمان اپنے مرتبہ کے مطابق اجر لے کر لوٹتا ہے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی ہر سال عید پر اپنے روزہ دار بندوں پر انواع اقسام کی نعمتیں اور احسانات لوٹاتا ہے اور یہ دن بار بار لوٹ کر اتا ہے اور یہ دن فرحت و سرور اور خوشیوں کے ساتھ بار بار آتا ہے اس لیے اسے عید کہتے ہیں۔[31] لیکن یہ تکرار یکسانیت یا بیزاری پیدا کرنے کے بجائے ہمیشہ خوشی اور نئی مسرت لے کر آتی ہے۔ گویا عید کا ہر سال آنا دلوں میں ہر مرتبہ ایک نئی فرحت، ایک نئی بشاشت اور ایک نئے انبساط کا ذریعہ بنتا ہے، نہ کہ محض ایک معمولی دہرائی جانے والی رسم۔ اس لیے قافلہ کو قافلہ نیک شگون کے لیے کہتے ہیں کہ قافلہ جس سفر پر جارہا ہے، لوٹ کر آئے کیونکہ قافلہ کے معنی ہیں لوٹ کر آنے والا۔

اصطلاحاً: عیدی کو اصطلاحاً یوں بیان کیا جا سکتا ہے: ایک نقدی یا عینی ہدیہ جو عید کے دنوں میں بچوں اور رشتہ داروں کو اس مقصد کے لیے دیا جائے کہ ان سے خوشی اور فرحت و انبساط کا اظہار ہو۔

عیدی کا مفہوم

عیدی در حقیقت ایک ایسی روایت ہے جو عید کے موقع پر خوشی اور باہمی محبت کے اظہار کے طور پر قائم ہوئی۔ اس کا اصل مقصد قریبی رشتہ داروں، خصوصاً بچوں کو خوش کرنا اور مسلمانوں کے درمیان اخوت و محبت کو پروان چڑھانا ہے۔ اسلام میں ہر ایسا عمل باعثِ اجر ہے جو لوگوں کے دلوں میں خوشی پیدا کرے، بشرطیکہ وہ نیک نیتی اور خلوصِ دل سے کیا گیا ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا[32]

عیدی دراصل ہدیہ ہے، جو ندب و استحباب کے درجے میں آتا ہے؛ کیونکہ اس میں صلہ رحمی، محبت اور باہمی تعلقات کو تقویت ملتی ہے۔ عیدی کا وقت عید کے ایام ہیں، خواہ عید الفطر ہو یا عید الاضحی، کیونکہ یہ ایام خوشی اور مسرت کے لیے مخصوص ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: تَهَادَوا تَحابّوا[33] آپس میں ہدیے دو تاکہ محبت پیدا ہو۔

عیدی کی افادیت اور حد: یہ عادت اس وقت تک اچھی اور پسندیدہ ہے جب تک اپنے اصل مقصد پر قائم رہے، یعنی خلوص اور محبت کے ساتھ دی جائے اور اس کا مقصد معاشرتی رشتوں اور تعلقات کو مضبوط بنانا ہو۔

علماء و مفتیان کو تحائف دینا

جواز: فقہاء کی ایک بڑی تعداد اس بات پر متفق ہے کہ مفتی کو ہدیہ دینا اصولی طور پر جائز ہے[34] اور اس کے قبول کرنے میں کوئی حرمت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فتویٰ بذاتِ خود ایک غیر لازمی نوعیت کا شرعی جواب ہے، جو لوگ اختیار کر سکتے ہیں یا چھوڑ سکتے ہیں۔

شرطِ نیت اور حدود: تاہم اس جواز کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ ہدیہ فتویٰ کے بدلے میں نہ ہو، اور نہ ہی یہ مقصد ہو کہ مفتی اپنی رائے ہدیہ دینے والے کے مفاد کے مطابق بدلے۔ کیونکہ فتویٰ دینا دراصل ایک دینی خدمت ہے، جس کا اصل اجر صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جانا چاہیے۔ لہذا جب ہدیہ محض محبت، تعلق اور احترام کے طور پر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حرمت: اگر کوئی مفتی یا عالم دین ہدیہ اس نیت سے لے کہ وہ اپنی رائے میں جھکاؤ پیدا کرے یا سوال کرنے والے کی منشاء کے مطابق فتویٰ دے، تو وہ دو بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے: ایسا ہدیہ جو حقیقت میں رشوت کے حکم میں داخل ہے۔ علم و امانت کو ضائع کرنا اور حق چھپانا۔ یہ رویہ نہ صرف دنیا میں بدنامی کا سبب ہے بلکہ حرام ہے اور آخرت میں دردناک عذاب کا موجب بھی ہے۔[35] حرمت و جواز کی یہ صورتیں ان علماء اور مفتیان کے لئے ہیں جو محض عوامی خدمت کے طور پر فتاویٰ جاری کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی ریاستی حیثیت یا سرکاری منصب نہیں ہوتا۔ لیکن آج کے دور میں اہل استفتاء دو طرح کے ہیں۔ اولاً وہ جو رضاکارانہ فتاویٰ جاری کرتے ہیں۔ ثانیاً وہ جو سرکاری اداروں میں بطور مفتی مقرر ہوں اور ان کو استفتاء کا وظیفہ یعنی اجرت ملتی ہے۔ لہذا دارالافتاء اور وزارتِ افتاء باقاعدہ حکومتی ادارے ہیں اور مفتی ایک سرکاری منصب پر فائز ہوتا ہے جس کا اثر معاشرتی و سیاسی سطح پر نظر آتا ہے۔ لہٰذا آج کے زمانے میں مفتی کا ہدیہ قبول کرنا حاکم یا قاضی کے ہدیے کی مانند ہے اور اس کے لیے اس میں حرمت کا حکم ہی راجح ہے۔

معلمین کو تحائف دینا

اہلِ علم کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مفتی یا معلم ہدیے قبول کرنے میں احتیاط برتیں تاکہ وہ خود کو شکوک و شبہات سے محفوظ رکھ سکیں۔ اگر ہدیہ محبت اور تعلق کے اظہار کے طور پر ہو اور اس میں رشوت یا مفاد پرستی کی بُو نہ ہو، تو صرف تعلیمی یا انتظامی تعلق ختم ہونے کے بعد ہی قبول کیا جائے۔ اگر کوئی شخص ہدیہ دینا چاہتا ہے تو بہتر ہے کہ وہ ذاتی تحفے کی بجائے علمی ادارے یا خیراتی مقصد کے لیے عطیہ کرے تاکہ نیت بھی صاف ہو اور مفادِ عامہ بھی حاصل ہو۔ سب سے بڑھ کر، اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں اور عوام کے سامنے عملی نمونہ بنیں، اور یہ سبق دیں کہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیے، دنیاوی فائدے یا رشوت کے لیے نہیں۔

ویلنٹائن ڈے کے تحائف

پاکستان، انڈیا، افریقہ، ایشیاء سمیت دنیا میں ہر جگہ مغربی تہذیب کے اثرات تیزی سے پھیلے ہوئے ہیں۔ مخصوص دن منانے کا رجحان اب ایک عالمی صورت اختیار کر گیا ہے۔ "ویلنٹائن ڈے"، "مدرز ڈے"، "فادرز ڈے" اور "فرینڈشپ ڈے" جیسے دن

جو مغربی ثقافت کا حصہ ہیں جنہیں ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا نے پوری دنیا میں عام کر دیا ہے۔ ان مواقع کو محبت، عقیدت اور رشتوں کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، مگر در حقیقت یہ رجحان مذہبی، اخلاقی اور سماجی سطح پر کئی منفی اثرات مرتب کر رہا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر: اسلام انسان کے تمام جذبات کو ایک متوازن دائرے میں رکھتا ہے۔ محبت کا جذبہ فطری ہے، مگر شریعت اسے پاکیزگی اور ذمہ داری کے ساتھ ظاہر کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ-ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۝وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۝[36]

مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بیشک اللہ ان کے کاموں سے خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ**[37]" (حیا ایمان کا شعبہ (شاخ) ہے۔" ان تعلیمات سے واضح ہے کہ اسلام میں بے حیائی، فحاشی اور ناجائز تعلقات کی کوئی گنجائش نہیں۔ ویلنٹائن ڈے جیسے مواقع دراصل انہی ممنوع رویّوں کو عام کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

نقوط

انسانی زندگی خوشی اور غم کے مختلف مواقع سے جڑی ہوئی ہے۔ رواج کے طور پر ایسے مواقع پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و ایثار کا مظاہرہ صدیوں سے انسانی سماج کا حصہ رہا ہے۔ اس تعاون کی صورت کو "نقوط" کہتے ہیں[38]۔ حنفی فقہاء کی رائے ہے کہ نقوط (شادی، منگنی، ولیمہ، سفر حج و عمرہ) کے بارے میں حکم عرف و رواج پر موقوف ہے۔ اگر رائج عرف یہ ہو کہ نقوط کو قرض سمجھا جاتا ہے تو اس کا حکم قرض ہی کا ہو گا، اور لینے والے پر لازم ہو گا کہ وہ اسے واپس کرے۔ اگر وہ اس سے زیادہ واپس کرے تو زائد رقم قرض ہو گی جو آئندہ کسی موقع پر ادا کی جائے۔[39] گر رائج عرف یہ ہو کہ اسے محض تحفہ سمجھا جاتا ہے تو پھر اس کی واپسی ضروری نہیں، کیونکہ یہ محض ہدیہ ہے۔ حنفیہ نے اپنے اس موقف کے لیے مشہور فقہی قاعدہ پیش کیا ہے کہ: **المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً**۔[40] راجح بات یہی ہے کیونکہ ہر ملک کے اپنے اپنے رسم و رواج اور عرف ہوتے ہیں۔ ایسے مسائل میں عرف ہی اصل معیار ہے۔

نقوط کے مواقع

سلامی یا نیوتا: نکاح ایک عبادت اور سنت ہے، اس موقع پر بعض لوگ دلہا دلہن کو سلامی یا رقم پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لازم نہیں، لیکن عرف کے طور پر رواج پایا جاتا ہے۔ اصل سنت نکاح کو سادگی سے انجام دینا ہے۔

ولیمہ: ولیمہ نکاح کے بعد دلہا کی طرف سے مہمانوں کو کھانا کھلانے کی سنت ہے۔ ولیمے میں بنیادی عمل کھانا ہے، تحفہ دینا شرعاً لازم نہیں۔ البتہ لوگ اپنی خوشی سے دلہا دلہن کو پیسے یا تحفے دیتے ہیں، یہ عرف ہے، دین نے اس کو لازم قرار نہیں دیا۔

عقیقہ: بچے کی پیدائش پر ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے۔ اس میں جانور قربان کر کے گوشت تقسیم کیا جاتا ہے اور بچے کے لیے برکت کی دعا کی جاتی ہے۔ اس موقع پر لوگ رشتہ داروں اور والدین کو تحفے یا پیسے دیتے ہیں، بعض اوقات قریبی رشتہ دار کپڑے یا زیورات بھی بطور تحفہ دیتے ہیں۔

پیدائش: نومولود کی پیدائش پر والدین کو نقدی یا سامان دینا تاکہ عزت واکرام اور خوشی میں شرکت کے ساتھ ساتھ مالی تعاون بھی ہو جائے۔

بیماری: مریض یا اس کے اہلِ خانہ کو عیادت کرتے ہوئے سنت کے مطابق اخلاقی تعاون کے ساتھ مالی مدد فراہم کرنا۔

سفرِ حج و عمرہ: زائرین کو رخصتی کے وقت ہدیہ دینا، تاکہ ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

اسلامی ایام: عید الفطر اور عید الاضحی پر ایک دوسرے کو کھانے پینے کی اشیاء، مٹھائیاں اور رقوم دینا؛ برصغیر میں خصوصاً بیٹیوں کو میکے سے کپڑے، طعام اور نقدی بھیجی جاتی ہے۔ اسی طرح رجب و شعبان کے مہینوں میں بھی عزیز و اقارب کو کھانے پینے یا ضرورت کا سامان اور نقدی دیتے ہیں۔

ایامِ غم: کسی حادثے یا وفات کی صورت میں متاثرہ خاندان کے ساتھ مالی تعاون کرنا۔

منگنی کے تحائف

منگنی کی اصل یہ ہے کہ یہ نکاح کا وعدہ ہے جو فریقین پر لازم نہیں ہوتا۔[41] اس لیے فریقین میں سے کوئی بھی اسے ختم کر سکتا ہے البتہ شرعی اور اخلاقی طور پر چاہیے کہ بغیر کسی معقول وجہ کے ایسا نہ کیا جائے۔ منگنی سے متعلق ہمارے ہاں یہ عرف باقاعدہ تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے بعض اوقات یہ تقریب شادی کی تقریب کی طرح میرج ہال وغیرہ میں کرتے ہیں ورنہ گھر پر کرنے کا رواج بھی ہے۔ باقی تحائف کے علاوہ بالخصوص منگنی کی تقریب میں دونوں جانب سے انگوٹھی کا تبادلہ ہوتا ہے۔ منگنی ٹوٹنے کی صورت میں دونوں کو حق حاصل ہے کہ جو تحائف دیے گئے خواہ نقدی ہوں یا سونا، چاندی یا دیگر قیمتی سامان، ان کی واپسی کا

مطالبہ کریں[42]۔ کیونکہ یہ ہدایا اس نیت سے دیے جاتے ہیں کہ دونوں کی شادی ہو گی اور جب ایسا نہ ہو سکا تو وہ ہدایا واپس لینے کے مستحق ہیں۔ احناف کے نزدیک ہدایا جب ہی واپس لیے جاسکتے ہیں جب تک وہ اپنی اصلی حالت میں ہوں، اگر ان کو استعمال کر لیا گیا یا ان میں ایسی زیادتی اور اضافہ کر دیا گیا جس سے وہ شے اصل حالت میں نہ رہی تو اس صورت میں واپس مانگنا یا اس کا بدل لینا درست نہیں۔[43]

نکاح کے تحائف

نیو تا یا سلامی:

نکاح زندگی کا ایک ایسا موقع ہے جس میں خوشی، محبت اور تعلق کی نئی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس موقع پر رشتہ دار، احباب اور اہلِ محلہ اپنے اپنے انداز میں خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ انہی روایتی اندازوں میں ایک رسم نیوتہ یا سلامی بھی ہے۔ نیوتہ اس رقم کو کہا جاتا ہے جو شادی کے موقع پر دلہا یا دلہن کو مہمانوں کی طرف سے دی جاتی ہے اور اس کا مقصد خوشی میں شریک ہونا ہے۔ لوگ اپنی حیثیت کے مطابق رقم دیتے ہیں۔

یہ روایت صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ دیگر اقوام میں بھی پائی جاتی ہے۔ مختلف علاقوں میں یہ مالی تعاون کا ایک نظام بن چکا ہے۔ شادی ایک ایسا موقع ہوتا ہے جس پر بہت خرچ آتا ہے اس لیے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے لیے یہ رقم دیتے ہیں تاکہ کسی خاندان پر بوجھ نہ پڑے۔ ایک خاندان دوسرے سے ان کی شادی پر مالی تعاون کرتا ہے تو کل کو وہ بھی اسی طرح ان کی شادی پر اتنی ہی یا اس سے زائد رقم دیتے ہیں مگر یہاں نیت کی نوعیت بہت اہم ہے۔ اگر یہ رقم صرف خوشی میں شریک ہونے کے لیے دی جائے تو یہ محض تحفہ شمار ہو گی اور اسلام میں تحفہ دینا پسندیدہ عمل ہے۔ اسلامی تعلیمات میں تحفے دینے کا مقصد محبت بڑھانا، دلوں کو قریب لانا، اور خیر خواہی کے جذبے کو فروغ دینا ہے۔ اگر نیو تا بھی اسی نیت سے دیا جائے تو یہ عین مستحسن عمل ہے۔ البتہ اگر نیو تا دینے والا یہ نیت رکھے کہ یہ رقم "عارضی طور پر" دی جا رہی ہے اور بعد میں جب اس کے گھر شادی ہو گی تو یہی رقم واپس کی جائے گی، تو ایسی صورت میں یہ تحفہ نہیں بلکہ قرض ہو گا۔ پھر شرعاً اس کا واپس کرنا ضروری ہو گا کیونکہ نیت بعد میں وصول کرنے کی ہے۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ جب نیو تا واپسی کی نیت پر دیا جائے تو یہ قرض ہے اور اس پر وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو قرض کے بارے میں ہیں[44]۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیو تا اگر خالص نیت سے دیا جائے تو تحفہ ہے اور باعثِ ثواب، اگر بدلے یا حساب کتاب کی نیت ہو تو قرض ہے اور پھر اسے واپس کرنا لازم ہے۔ البتہ اسلام محبت، اخلاص اور سادگی کا دین ہے اس لیے ہر رسم کو انہی اصولوں پر ہونا چاہیے۔

نیوتا بطور قرض:

جہاں نیوتا بطور قرض دینے کا عرف ہو وہاں حکم یہ ہے کہ قرض کی طرح جتنی رقم وصول کی اتنی رقم واپس کرنا لازم ہو گا۔ البتہ ہمارے ہاں یہ بھی رواج ہے کہ جب رقم واپس کریں تو بڑھا کر واپس کرتے ہیں۔ لہذا جتنی رقم زائد دی وہ دوسرے فریق پر نیا قرض شمار ہو گی۔ مثلاً علی نے زید کو اس کی شادی کے موقع پر پانچ ہزار بطور سلامی دیئے جبکہ زید نے علی کو واپس کرتے وقت پانچ کی بجائے چھ ہزار دیے۔ اس صورت میں علی کو جو ایک ہزار زائد دیئے گئے وہ علی کے ذمے قرض ہے۔ الغرض جہاں یہ عرف رائج ہوں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ پوری پوری ادائیگی کرنے کے بجائے دوسرا فریق ہمیشہ کچھ رقم زائد دیتا ہے اور یوں یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ بن جاتا ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ جتنی رقم وصول کی جائے اتنی ہی ادا کر دی جائے۔[45] حضرت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرّحمٰن فرماتے ہیں: ”نیوتا وصول کرنا شرعاً جائز ہے اور دینا ضروری ہے کہ وہ قرض ہے۔[46]

مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ”نیوتا بھی بہت بری رسم ہے جو غالباً دوسری قوموں سے ہم نے سیکھی ہے اس میں خرابی یہ ہے کہ ہم نے کسی کے گھر چار موقعوں پر دو دو روپے دیئے ہیں تو ہم بھی حساب لگاتے رہتے ہیں اور وہ بھی جس کو یہ روپیہ پہنچا۔ اب ہمارے گھر کوئی خوشی کا موقع آیا ہم نے اس کو بلایا تو ہماری پوری نیّت یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص کم از کم دس روپے ہمارے گھر دے تاکہ آٹھ روپے ادا ہو جائیں اور دو روپے ہم پر چڑھ جائیں ادھر اس کو بھی یہ ہی خیال ہے کہ اگر میرے پاس اتنی رقم ہو تو میں وہاں دعوت کھانے جاؤں ورنہ نہ جاؤں، اب اگر اس کے پاس اس وقت روپیہ نہیں تو وہ شرمندگی کی وجہ سے آتا ہی نہیں اور اگر آیا تو دو چار روپے دے گیا۔ بہر حال ادھر سے شکایت پیدا ہوئی، طعنے بازیاں ہوئیں، دل بگڑے۔ بعض لوگ تو قرض لے کر نیوتا ادا کرتے ہیں۔"[47]

اکثر دیہات یا چھوٹے شہروں میں اس رسم کا حساب رکھا جاتا ہے کہ کس نے کتنی رقم دی تاکہ بعد میں موقع آنے پر اتنی ہی رقم واپس کر دی جائے۔ اس کے نتیجے میں یہ رواج محبت کے بجائے حساب کتاب کا ذریعہ بن گیا ہے۔ بعض لوگ اسے اس نیت سے دیتے ہیں کہ ان کا نام فہرست میں رہے اور کل کو ان کو بھی مالی فائدہ پہنچے۔ یہ رویہ روحِ اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ کسی نیکی کے پیچھے نیت خالص ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍفَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ** ”تم جو بھی بھلائی کرو، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔“[48]

یہ آیت ایک جامع اصول دیتی ہے کہ نیکی کی قدر نیت کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ ظاہری صورت سے۔ اسی اصول کے تحت اگر نیوتا خوشی، خیر خواہی اور تعاون کے جذبے سے دیا جائے تو یہی اصل ہے۔ لیکن اگر یہ رسماً یا معاشرتی دباؤ کے تحت دیا جائے تو پھر اس کی اخلاقی اور شرعی حیثیت تحفے کی بجائے قرض ہو جاتی ہے۔ آج کے دور میں نیوتا کا رواج بظاہر محبت کا اظہار ہے مگر اکثر یہ مالی دکھاوے اور تقابل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بعض اوقات متوسط اور غریب گھرانے یہ سوچ کر قرض لیتے ہیں کہ نیوتا دینے سے ان کی سماجی ساکھ برقرار رہے گی مگر یہ بوجھ ان کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ اسلام ایسی رسموں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا جو دکھاوے یا مجبوری پر مبنی ہوں۔ شریعت آسانی، سادگی اور باہمی تعاون کو پسند کرتی ہے نہ کہ مالی دباؤ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ نیوتا یا سلامی کو تحفے کی نیت سے دیا جائے کسی بدلے کی توقع کے بغیر۔ اگر کوئی شخص چاہے تو شادی کے موقع پر اپنے دوست یا عزیز کی مدد بھی کر سکتا ہے لیکن اسے صراحت کے ساتھ بتانا چاہیے کہ یہ مدد ہے یا قرض۔ خلطِ نیت سے بچنا ضروری ہے تا کہ کسی بھی قسم کے تنازع سے بچت ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ نیوتا اگر خالص نیت سے دیا جائے تو تحفہ ہے اور باعثِ ثواب اگر بدلے یا حساب کتاب کی نیت ہو تو قرض ہے اور پھر اسے واپس کرنا لازم ہے۔ اسلام محبت، اخلاص اور سادگی کا دین ہے اس لیے ہر رسم کو انہی اصولوں پر ہونا چاہیے۔

جہیز و بری، منہ دکھائی اور مہر

اسلام نے نکاح کو آسان اور بابرکت عمل قرار دیا ہے لیکن افسوس کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس سادہ اور روحانی تعلق کو معاشرتی دکھاوے، مالی دباؤ اور غیر ضروری رسوم نے گراں بنا دیا ہے۔ انہی میں سب سے نمایاں رسم جہیز ہے جس نے بہت سے گھروں کی خوشیاں سلب کر لی ہیں۔ جہیز بنیادی طور پر اپنی اصل میں تحفہ ہے۔ والدین اپنی بیٹی کو خوشی کے ساتھ کچھ ضروری سامان دیتے تھے تا کہ وہ انہیں اپنی نئی زندگی میں سہولت ہو۔ اسی طرح بری وہ سامان ہے جیسے ملبوسات، زیورات وغیرہ جو مرد کے گھر والوں کی طرف سے دلہن کو تحفتہً دیا جاتا ہے۔ جس کا مقصد کسی پر بوجھ ڈالنا نہیں بلکہ مدد کرنا تھا۔ لیکن آج تحائف کی ان صورتوں نے مجبوری اور رسم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اب جہیز دینا اکثر والدین کے لیے قرض، شرمندگی اور دباؤ کا باعث بن گیا ہے۔ اسلام میں اس بات کی کوئی شرط نہیں رکھی گئی کہ نکاح کے وقت عورت جہیز لائے۔ قرآن و سنت میں نہ تو اس کا ذکر ہے اور نہ ہی اس کی ترغیب۔ اسلام کا زور اس بات پر ہے کہ زندگی سادگی اور احترام سے گزاری جائے۔ چنانچہ نبیؐ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: بڑی برکت والا نکاح وہ ہے جس میں بوجھ کم ہو[49]۔

مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ المنّان اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی جس نکاح میں فریقین کا خرچ کم کرایا جائے، مہر بھی معمولی ہو، جہیز بھاری نہ ہو، کوئی جانب مقروض نہ ہو جائے، کسی طرف سے شرط سخت نہ ہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تَوَکُّل پر لڑکی دی جائے وہ نکاح بڑا ہی بابرکت ہے ایسی شادی خانہ آبادی ہے، آج ہم حرام رسموں، بے ہودہ رواجوں کی وجہ سے شادی کو خانہ بربادی بنالیتے ہیں۔ ہمارے ہاں جہیز اب ایک مقابلے کا ذریعہ بن چکا ہے۔ خاندانوں میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس نے زیادہ قیمتی سامان دیا، کس نے زیادہ فرنیچر خریدا اور کس نے زیادہ زیورات پیش کیے۔ اس رویے نے نکاح کو بوجھ بنادیا ہے۔ منہ دکھائی بھی جہیز کی طرح تحفہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے دے تو مستحسن لیکن اگر اسے لازم سمجھا جائے یا اس میں دکھاوے کی نیت شامل ہو تو یہ اس کے مقصد کو مسخ کر دیتا ہے۔ محبت کی بنیاد خلوص پر ہے قیمت پر نہیں۔ جہیز اور منہ دکھائی دونوں کے برعکس مہر وہ حق ہے جو شریعت نے عورت کے لیے مقرر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے **وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةًؕ-فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا**:اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ خوش دلی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے پاکیزہ، خوشگوار (سمجھ کر) کھاؤ۔[50]

عرب احتراما اسے نحلہ کہتے ہیں اس مقصد کے تحت کے آدمی اپنی زوجہ کو مہر بطور تحفہ دے۔ یعنی جیسے تحفہ کی اصل یہ ہے کہ آدمی خوش دلی سے تحفہ دے ایسے ہی مہر بھی خوشدلی سے دیا جائے۔ ہر معاملہ کا حل صرف اور صرف اسی میں ہے کہ فریقین اپنے اپنے حصے کا حق اور ذمہ داری ادا کریں لہذا عورت اور اس کے سرپرستوں کو چاہیے کہ مہر میں آسانی کریں اور آدمی اور اس کے خاندان کو چاہیے کہ جہیز کے سلسلے میں بوجھ نہ ڈالیں۔

خلاصہ بحث:

تحائف کا تبادلہ ایک قدیم اور معروف روایت ہے جو خاندانی، سماجی اور عائلی سطح پر مختلف صورتوں میں رائج رہی ہے۔ نکاح، ولیمہ، عقیقہ، پیدائش، بیماری، حج و عمرہ، عیدین اور ایامِ غم جیسے مواقع پر تحائف یا مالی تعاون دراصل خوشی اور غم میں شریک ہونے کا اظہار ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے ان اعمال کو ان کی اصل اور مقصد کے اعتبار سے پسند کیا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اعمال کی اصل قدر و قیمت ظاہری صورت پر نہیں بلکہ نیت اور اخلاص پر موقوف ہے۔ اگر تحفہ خلوصِ دل، محبت اور محض

اللہ کی رضا کے لیے ہو تو وہ باعثِ اجر ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات اس امر پر واضح دلالت کرتے ہیں کہ اعمال کی قبولیت کا مدار نیت پر ہے اور تحائف کا اصل مقصد دلوں میں محبت پیدا کرنا ہے نہ کہ حساب کتاب یا مقابلہ بازی۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہمارے ہاں رائج روایات اپنی اصل میں مستحسن ہیں کیونکہ ان کے ذریعے تعاون، باہمی تعلق اور رشتوں کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ تاہم موجودہ معاشرتی صورتِ حال میں ان روایات میں واضح بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ اکثر مواقع پر لوگ محض رسم پوری کرنے کے لیے قرض اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ذہنی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں، یا کم دینے کی وجہ سے شرمندہ کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ روایات بعض اوقات اسراف، تفاخر اور معاشرتی دباؤ کا سبب بن جاتی ہیں جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تحائف کو دوبارہ ان کے اصل مقصد کی طرف لوٹایا جائے یعنی اخلاص، استطاعت، اعتدال اور حسنِ نیت کے ساتھ۔ جب یہ اعمال خلوص پر مبنی ہوں تو محبت، سکون اور باہمی اعتماد کو فروغ دیتے ہیں اور جب ان میں جبر، دکھاوا اور رسمیت شامل ہو جائے تو یہی بوجھ اور فساد کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں ان روایات کو اعتدال کے ساتھ اپنانا ہی ایک متوازن معاشرے کی ضمانت ہے۔

تجاویز

* فقہِ اسلامی میں ہدیہ کے احکام کا دائرہ نہایت وسیع اور ہمہ جہت ہے۔ فقہاء نے ہبہ اور ہدیہ کے اصول و شرائط پر تفصیلی بحث کی ہے، مگر دورِ حاضر کے سماجی و معاشی تغیرات اس موضوع کے لئے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اجتہادی مطالعے کا تقاضا کرتے ہیں۔ بالخصوص بینکوں، تجارتی اداروں اور کارپوریٹ سطح پر دیئے جانے والے ہدیے ایسے ہیں جن پر عصرِ حاضر کے ماہرین کو مسلسل تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ ان کی شرعی حیثیت واضح ہو سکے۔
* ریاستی تحائف کے باب میں سنتِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے عملی نمونوں کی مستقل تحقیقی تدوین کی ضرورت ہے جس میں عمال کو ملنے والے تحائف، بیت المال میں جمع کروانے کی مثالیں، اور منصب کی وجہ سے ملنے والے ہدیے کی شرعی حیثیت کو نصوصِ حدیث اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں منظم اور ایک جگہ یکجا کیا جائے۔
* اسی طرح تجارتی و معاشی تحائف (مارکیٹنگ گفٹس، مراعات، کمیشن نما ہدیے) کے بارے میں عہدِ صحابہ کے تعاملات اور فقہاءِ متقدمین کی تصریحات کو یکجا کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس موضوع کے حوالے سے روایات وغیرہم کی طرف رجوع کیا جاسکے۔
* سماجی سطح پر بھی عام تحائف کے نبوی معیار کا استخراج کر کے معاصر عرف کے ساتھ تقابلی تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

* ہدیہ کا تصور بالخصوص اس کی صورتیں، مقاصد اور انداز بدلتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم پر لازم ہے کہ وہ سماجی اور معاشی رویوں کو سامنے رکھ کر اجتہاد کریں تاکہ ہدیہ کے بارے میں شرعی رہنمائی ہر دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہے۔
* فقہائے اربعہ نے اگرچہ ہبہ کے عنوان کے تحت بنیادی اصول مرتب کر دیے ہیں، لیکن ہر زمانے کے مسائل الگ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے محققین کو ان اصولوں کو بنیاد بنا کر نئی صورتوں پر تطبیق کرنی چاہیے تاکہ امت کو واضح، مربوط اور بامقصد شرعی رہنمائی ملے۔
* ڈیجیٹل تحائف جیسے ایپلیکیشن کریڈٹس، ورچوئل کرنسی اور آن لائن واؤچرز پر بھی اگرچہ اجتہادی مسائل علماء نے بیان فرمادیئے ہیں۔ البتہ ان کے بدلتے ٹرینڈز کے ساتھ وقتاً فوقتاً فقہی اجتہاد کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان واضح طور پر جان سکیں کہ ان صورتوں میں شرعی طور پر کیا درست ہے اور کیا ناجائز۔ اس کے ساتھ ساتھ صارفین کے تحفظ کے نقطہ نظر سے بھی یہ اہم ہے کہ تجارتی ادارے اپنی تشہیری سکیموں میں صرف نفع کمانے کو مقصد نہ بنائیں بلکہ سماجی اور اخلاقی ذمہ داریوں کا بھی لحاظ کریں۔
* اس سلسلے میں اس اقدام کی بھی ضرورت ہے کہ فقہی ماہرین اور ماہرینِ معاشیات کے مابین مشترکہ تحقیقی کاوشوں کو فروغ دیا جائے۔ بین المضامین تحقیق کے ذریعے ہی یہ ممکن ہے کہ ہدیہ کے احکام نہ صرف فقہی اصولوں کے مطابق ہوں بلکہ جدید معاشی پالیسیوں اور مارکیٹنگ کے تقاضوں کے ساتھ بھی مربوط ہو سکیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

[1]al-Sarakhsī, Muḥammad ibn Aḥmad. *Uṣūl al-Sarakhsī* (Bayrūt: Dār al-Maʿrifah), Juzʾ 2, 200.
[2]Ibn ʿĀbidīn, Muḥammad Amīn. *Radd al-Muḥtār*, Kitāb al-Hibah (Quetta: Dār al-Ishāʿah, 2001), Juzʾ 8, 583.
[3]Ibn Nujaym, Zayn al-ʿĀbidīn. *al-Baḥr al-Rāʾiq* (Bayrūt: Dār al-Maʿrifah), 262.
[4] al-Kirmānī, Shams al-Dīn Muḥammad ibn Yūsuf. *al-Kawākib al-Dārī fī Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Juzʾ 11, 109.
[5]al-Kāsānī, ʿAlāʾ al-Dīn Abū Bakr ibn Masʿūd. *Badāʾiʿ al-Ṣanāʾiʿ fī Tartīb al-Sharāʾiʿ*, Juzʾ 6, 116.
[6]Jamʿ al-Lughah al-ʿArabiyyah. *al-Muʿjam al-Wasīṭ*, 609.

[7]al-Māwardī, ʿAlī ibn Muḥammad ibn Ḥabīb al-Baṣrī al-Shāfiʿī. *al-Ḥāwī al-Kabīr*. Ed. Muḥammad Maʿwaḍ and ʿĀdil Aḥmad ʿAbd al-Mawjūd (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah), Juzʾ 7, 117.
[8]Ibn Fāris, Abū al-Ḥasan Aḥmad ibn Zakariyyā. *Maqāyīs al-Lughah*. Taḥqīq ʿAbd al-Salām Muḥammad Hārūn (Bayrūt: Dār al-Fikr, 2nd ed.), Juzʾ 4, 273.
[9]al-Fīrūzābādī, Majd al-Dīn Abū Ṭāhir Muḥammad ibn Yaʿqūb. *al-Qāmūs al-Muḥīṭ*, Juzʾ 1, 103; Ibn Manẓūr. *Lisān al-ʿArab*, Juzʾ 1, 361.
[10] al-Kāsānī, ʿAlāʾ al-Dīn Abū Bakr ibn Masʿūd. *Badāʾiʿ al-Ṣanāʾiʿ*, Juzʾ 7, 330; al-Dusūqī. *Ḥāshiyat al-Dusūqī*, Juzʾ 3, 39.
[11]Ibn Qudāmah, Muwaffaq al-Dīn ʿAbd Allāh ibn Aḥmad. *al-Mughnī*, Juzʾ 8, 280.
[12] al-Sharbīnī, Muḥammad ibn Aḥmad. *Mughnī al-Muḥtāj,* Juzʾ 3, 573; al-Ramlī, Shams al-Dīn Muḥammad ibn Abī al-ʿAbbās. *Nihāyat al-Muḥtāj,* Juzʾ 5, 424.
[13] This ḥadīth is narrated by al-Bukhārī (Ḥadīth No. 2585), Abū Dāwūd (Ḥadīth No. 3536), al-Tirmidhī (Ḥadīth No. 1953), and other muḥaddithūn from Hishām ibn ʿUrwah
[14]This ḥadīth is narrated by Ibn Abī Shaybah (Juzʾ 11, 236), al-Ṭaḥāwī (Juzʾ 4, 82), and al-Dāraquṭnī (Juzʾ 3, 44), and in its chain is Jābir al-Juʿfī, who is a ḍaʿīf narrator.
[15]al-Sharbīnī, Muḥammad ibn Aḥmad. *Mughnī al-Muḥtāj*, Juzʾ 2, 263.
[16]Al-Māʿūn, 107:7.
[17]Ibn Kathīr. *Tafsīr Ibn Kathīr*, Juzʾ 4, 556.
[18]Mutaffaq ʿalayhi, narrated by al-Bukhārī: 2618, and Muslim: 2190.
[19]Mutaffaq ʿalayhi, al-Bukhārī: 1481, and Muslim: 1392
[20]Al-Mumtaḥanah, 60:8.
[21]Al-Māʾidah, 5:51.
[22]al-Zaylaʿī, Fakhr al-Dīn ʿUthmān ibn ʿAlī al-Ḥanafī. *Tabyīn al-Ḥaqāʾiq* (al-Qāhirah: Dār al-Kutub al-Islāmiyyah, 1313 H), Juzʾ 6, 228.
[23] Manṣūr, Saʿīd Wajīh Saʿīd. *Aḥkām al-Hadyah fī al-Fiqh al-Islāmī*. published MA thesis (Fiqh wa Tashrīʿ), Kulliyyat al-Dirāsāt al-ʿUlyā, Jāmiʿat al-Najāḥ al-Waṭaniyyah, Nāblus, Filasṭīn, 2011, 118.
[24]al-Niẓām. *al-Fatāwā al-Hindiyyah*, Juzʾ 6, 426; al-Zaylaʿī, *Tabyīn al-Ḥaqāʾiq*, Juzʾ 6, 228.
[25]al-Bayhaqī, Ḥadīth No. 18644, Juzʾ 9, 235.
[26]Ibn Abī Shaybah. *al-Muṣannaf*, Ḥadīth No. 32674, Juzʾ 6, 432.
[27]al-Zurʿī. *Aḥkām Ahl al-Dhimmah*, Juzʾ 1, 145.
[28]Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. *al-Tārīkh al-Kabīr,* Juzʾ 1, 141.
[29] Al-Raʿd, 13:21.
[30] Ibn Manẓūr. *Lisān al-ʿArab*, Juzʾ 3, 319.
[31] al-Shawkānī. *Nīl al-Awṭār*, Juzʾ 4, 233.

[32] Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī. *al-Ṣaḥīḥ* (Ṣaḥīḥ Muslim), Bāb Qubūl al-Ṣadaqah, Ḥadīth No. 1015, Juzʾ 2, 703.
[33]Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. *al-Adab al-Mufrad*. Taḥqīq Muḥammad Fuʾād ʿAbd al-Bāqī (Bayrūt: Dār al-Bayān al-Islāmī, 3rd ed., 1409 H / 1989 CE), Bāb Qubūl al-Hadyah, Ḥadīth No. 594, Juzʾ 1, 208
[34]Ibn ʿĀbidīn. *Ḥāshiyat Ibn ʿĀbidīn*, Juzʾ 5, 373; al-Sharwānī. *Ḥawāshī al-Sharwānī*, Juzʾ 10, 138; al-Shahrazūrī, Aḥmad ibn ʿUthmān. *Ādāb al-Muftī wa-al-Mustaftī* (Bayrūt: Maktabat Dār al-ʿUlūm wa-al-Ḥikam, 7th ed.?), Juzʾ 1, 115.
[35]al-Bayḍāwī. *Tafsīr al-Bayḍāwī*, Juzʾ 1, 350.
[36]Al-Nūr, 24:30.
[37]Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī. *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Īmān, Ḥadīth No. 156, Juzʾ 1, 51.
[38] al-Zabīdī. *Tāj al-ʿArūs*, Juzʾ 20, 152.
[39] Ibn ʿĀbidīn. *Ḥāshiyah*, Juzʾ 5, 696.
[40]Ibn ʿĀbidīn. *Ḥāshiyah*, Juzʾ 5, 701.
[41]al-Niẓām. *Fatāwā Hindiyyah*, Juzʾ 4, 403.
[42]Ibn ʿĀbidīn. *Ḥāshiyah*, Juzʾ 5, 696; Aḥmad Riḍā Khān. *Fatāwā Riḍwiyyah*, Juzʾ 23, 268.
[43]al-Niẓām. *al-Fatāwā al-Hindiyyah*, Juzʾ 4, 403
[44]Ibn ʿĀbidīn. Ḥāshiyah, Juzʾ 5, 696; Aḥmad Riḍā Khān. Fatāwā Riḍwiyyah, Juzʾ 23, 268
[45] Ibn ʿĀbidīn. *Radd al-Muḥtār*, Kitāb al-Hibah (Quetta: Dār al-Ishāʿah, 2001), Juzʾ 8, 583.
[46] Aḥmad Riḍā Khān. *Fatāwā Riḍwiyyah*, Juzʾ 23 (Lāhawr: Riḍā Foundation), 268
[47] Aḥmad Yaàr Khān, *Islāmī Zindagī* (Karāchī: Maktabah al-Madīnah), 25.
[48] Al-Baqarah, 2:215.
[49]Aḥmad ibn Ḥanbal. *Musnad Aḥmad*, Ḥadīth No. 24583, Juzʾ 9, 365.
[50]Al-Nisāʾ, 4.